AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 5, Issue 1, June 2021, PP: 249-260
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

درس نظامی کا تاریخی ارتقا اور عصرِ حاضر میں درپیش تحدیات کا جائزہ

Historical Evolution of Dars e Nizāmī and its Contemporary Challenges: An Appraisal

Syed Hamid Farooq Bukhari [1], Asghar Ali Khan [2]

[1] Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan
[2] Assistant Professor, Department of Islamic Studies, MUST, AJ&K

ARTICLE INFO

Article History:
Received 01 May 2021
Revised 05 June 2021
Accepted 25 June 2021
Online 30 June 2021

DOI:

***Keywords**:*
Education Framework,
"Dars-e-Nizāmī",
Nizām-ud-Din Sihalvi,
Mughal Ruler,
Aurangzeb Alamgir.

ABSTRACT

The main reason for education has consistently been capacity building and character advancement of an individual with the goal that he is empowered to be an energetic and helpful associate of his society and carries on with his own life effectively as well as contributes adequately to satisfy the requirements of the general public and its inspire. To accomplish this radiant reason, the curriculum assumes imperative part in the education framework as the entirety structure spins around it. Therefore syllabus improvement is measured to be an incessant and active procedure so that it may cover the needs of society, individual and constantly changing vigorous challenges appropriately. In Pakistan, the core curriculum of the Islamic Madaris, recognized as "Dars-e-Nizāmī", established by Nizām-ud-Din Sihalvī (1748) during the government of Mughal Ruler Aurangzeb Alamgir (1707). This paper plans to consider the said syllabus and its standards scientifically and to give recommendations for its more viability.

*Corresponding author's email: hamid.farooq@uog.edu.pk

درس نظامی کا پس منظر

پاکستان میں اسلامی مدارس سے مراد وہ تعلیمی مدارس ہیں جو مساجد کے ساتھ ملحق ہیں اور عموماً قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کر رہے ہیں۔ یہ مدارس موجودہ دور میں مساجد سے علیحدہ عمارات میں بھی قائم ہیں۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے، ان مدارس کی بڑی بڑی پر شکوہ عمارات بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان میں سے اکثر مدارس میں طلباء علم حاصل کرتے ہیں اور بعض مدارس صرف طالبات کے لئے خاص ہوتے ہیں۔ ان مدارس میں عام طور پر اقامتی طلباء کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ یہ طلباء دن رات انہی مدارس میں گزارتے ہیں اور مدارس کی یہی عمارت رات کو دارالاقامۃ اور دن کو درسگاہ کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ البتہ بعض مدارس کے ساتھ دارالاقامۃ کی عمارت علیحدہ بھی ہوتی ہے۔ ان اسلامی مدارس کو پاکستان میں جامعہ، دارالعلوم اور مدرسہ عربیہ بھی کہا جاتا ہے۔

اسلامی مدارس میں جو نصابِ تعلیم پڑھایا جاتا ہے وہ **"درسِ نظامی"** کے نام سے مشہور ہے۔ اس نصاب کو درسِ نظامی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ملا نظام الدین سہالوی نے مرتب کیا۔ یہ نصابِ تعلیم اپنی خصوصیات کی پیشِ نظر **1835**ء تک ہندوستان کے تقریباً تمام تعلیمی اداروں میں رائج تھا۔ **1835**ء کے بعد انگریزوں نے ایک جدید نصابِ تعلیم مرتب کر کے برصغیر کے مختلف تعلیمی اداروں میں اس کے نفاذ کا پروگرام بنایا، جس کا سرخیل میکالے تھا۔ اس نصابِ تعلیم میں جدید علوم، جدید فلسفہ اور سائنس کو بنیادی اور اساسی حیثیت دی گئی تھی لہٰذا اس تعلیمی نصاب نے بہت جلد ہندوستان کے تعلیمی اداروں میں قبولیت حاصل کی تو مسلمانوں نے بھی جدید علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کو خوش آمدید کہا، دوسری طرف حکومت نے اپنے منصوبہ کے مطابق درسِ نظامی کی قبولیت پر کاری ضرب لگانے اور اس کو تعلیمی اداروں سے باہر نکالنے کی تدبیر کے طور پر سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں صرف ان افراد کو قبول کرنے کا اعلان کیا جو اس جدید نظامِ تعلیم کے تربیت یافتہ ہوں جس کی وجہ سے درسِ نظامی کی حیثیت ایک ایسے قدیم اور فرسودہ نصاب کی ہو کر رہ گئی جس کے فاضل کے معاشی مستقبل کی کوئی ضمانت نہ تھی، مسلمانوں کی اکثریت کا اب جدید نصاب کی طرف متوجہ ہونا ایک طبعی امر اور سازشی ذہنوں کے درست مقدمات کا صحیح منطقی نتیجہ تھا۔ درحقیقت یہ نتیجہ بھی مسلمانوں کے منجمد تعلیمی نظام کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اگر مسلمان حکمران **1835**ء تک رائج درسِ نظامی میں خود ہی جدید علوم و فنون اور مغربی سائنس دانوں کی کوششوں سے جنم لینے والے نئے موضوعات و مباحث کا اضافہ کر لیتے تو نصابِ تعلیم کے آوازۂ تجدید کو تقلیدِ فرنگی کا بہانہ بنانے والے اپنے اس مقصد میں ناکام رہتے جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ یہ موقع دشمن کو مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی قدامت پسندی، جمود اور غفلت نے فراہم کیا اور پھر کئی سالوں تک اس غفلت کی سزا اس طرح پائی کہ مسلمانوں میں مستقل دو متوازی نظامِ تعلیم رائج ہوئے، دینی، دنیوی، قدیم، جدید اور مسٹر و ملا کی دو انتہاؤں کی تفریقی اصطلاح کی داغ بیل پڑی۔[1] جب عصری علوم کے جدید نظامِ تعلیم نے اسلامی علوم کی آبیاری کرنے والے نصاب کو فرسودہ قرار دے کر تعلیمی اداروں سے رخصت کیا، فارسی کی جگہ انگریزی کو دفتری اور عدالتی زبان قرار دیا، اور اس کے ساتھ ہی فقہ حنفی کو عدالتوں سے بطور قانون ختم کر کے انگریزی قوانین نافذ کر دیے، تو نئے تعلیمی نظام میں نہ صرف فقہ اور فارسی کا کوئی کردار باقی رہا بلکہ قرآن و حدیث، عربی زبان اور اس سے متعلقہ علوم کی بھی پہلے والی حیثیت نہ رہی تو بعض بزرگوں نے قرآن و حدیث، فقہ اسلامی اور عربی و فارسی کے مضامین کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے نجی سطح پر دینی مدارس کا یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ اس لیے کہ ان علوم کی دینی و معاشرتی ضرورت بدستور موجود تھی اور ان کی تدریس و تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جانے سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگلی،

دوسری اور تیسری نسل کا قرآن و حدیث اور ماضی کے علمی و دینی لٹریچر کے ساتھ خدانخواستہ کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ دینی مدارس کے نام سے انہوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں درسِ نظامی کی تعلیم دی جانے لگی۔ درد مند اور مخیّر حضرات کے چندہ سے چلنے والے یہ ادارے نہ سرکاری و نیم سرکاری تھے اور نہ شخصی، عام طور پر غریب مسلمانوں کے بچان میں پڑھتے اور دین کی خاطر اپنے وقار اور عزت تک کو قربان کرنے والے علماء ان کے لئے چندہ جمع کرتے تھے۔ چانچہ چند دینی مدارس سے اس پرائیویٹ تعلیمی نظام کا آغاز ہوا جو ان بزرگوں کے خلوص اور للّٰہیت کی برکت سے آج پورے جنوبی ایشیا میں لاکھوں مدارس کے وسیع نیٹ ورک کی صورت میں مصروف عمل ہے اور تمام تر مخالفت اور رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن وسعت اختیار کرتا جارہا ہے۔[2] **1866**ء میں ضلع سہارنپور کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں قائم ہونے والا دارالعلوم دیوبند اس سلسلے کا درخشاں مطلع ہے جس نے مسلمانوں میں احیائے دین کا ایک تازہ جذبہ پیدا کیا، اتباعِ سنت، اسلاف کے ساتھ محبت اور ان پر اعتماد کا بیج سینوں میں بویا اور اسلام کے تہذیبی ورثے کی حفاظت کا شعور زندہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اسی طرز پر قائم ہونے والے دیگر تعلیمی ادارے علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی درسگاہیں تھیں جن کی بدولت ان مدارس نے مسلم معاشرے میں نہ صرف لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کے سموئے ہوئے زہر کا تریاق کیا بلکہ دلوں کو اسلام کا ایک تازہ ولولہ دیا اور ان مدارس سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کی عہد ساز شخصیات پیدا ہوئیں۔[3]

درسِ نظامی کا نصاب

دینی مدارس کے نصاب تعلیم کی اساس **"درس نظامی"** ہے اور اس نصاب میں فنون کی بنیادی کتابیں آج تک وہی ہیں جو قدیم درسِ نظامی میں تھیں البتہ حالات اور عصری تقاضوں کے پیشِ نظر ترمیم و اضافہ کا عمل نصاب میں جاری رہا۔ قدیم نصاب میں شامل بعض علوم جیسے معقولات کی بہت سی کتابیں خارج کر دی گئیں۔ قدیم نصاب میں عام طور پر بیس علوم کی تقریباً سوا سو کتابیں بڑھائی جاتی تھیں، مرّوجہ نصاب کے آٹھ سالہ کورس میں نحو، صرف، معانی و بلاغت، ادب و انشاء، منطق، فلسفہ، ہیئت، کلام، مناظرہ، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث اور اصول حدیث۔ ان پندرہ علوم کی تقریباً ساٹھ کتابیں اکثر مدارس میں داخل ہیں۔ ملا نظام الدین کا ترتیب شدہ نصاب **"درسِ نظامی"** درج ذیل ہے:

نمبر شمار	فن	کتب
1	صرف	میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ
2	نحو	نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی
3	منطق	صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، سلم العلوم، میر قطبی
4	حکمت	میبذی، صدرا، شمس البازغۃ
5	ریاضی	خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمینی
6	بلاغت	مختصر المعانی، مطوّل
7	فقہ	شرح وقایہ، ہدایہ

8	اصولِ فقہ	نور الانوار، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت
9	کلام	شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف
10	تفسیر	جلالین، بیضاوی
11	حدیث	مشکوٰۃ المصابیح
12	مناظرہ	رسالہ رشیدیہ

ملا نظام الدین نے جو نصاب مرتب کیا تھا اس میں بعض کتب کا اضافہ کیا گیا ہے اور بعض ختم کر دی گئی ہیں۔ آج کل مدارس میں **"درسِ نظامی"** کے نام سے جو نصاب موجود ہے اس کی تفصیل **"تذکرۂ مصنفین درسِ نظامی"** میں **پروفیسر اختر راہی** نے یوں بیان کی ہیں:

نصاب درس نظامی

نمبر	فن	نام کتاب	مصنف	سال وفات
1	صرف	میزان	مولوی سراج الدین الاودھی	758ھ
2	صرف	منشعب	حمید الدین کاکوروی	1205ھ
3	صرف	پنج گنج	مولوی سراج الدین الاودھی	758ھ
4	صرف	صرف میر	میر سید شریف جرجانی	816ھ
5	صرف	علم الصیغہ	مفتی عنایت احمد	1277ھ
6	صرف	فصول اکبری	قاضی سید علی اکبر	1090ھ
7	صرف	دستور المبتدی	صفی الدین ردولوی	819ھ
8	صرف	زرادی	فخر الدین زرادی	728ھ
9	صرف	صرف بہائی	بہاء الدین عاملی	1031ھ
10	صرف	زنجانی	عبد الوہاب زنجانی	655ھ
11	نحو	نحو میر	سید شریف جرجانی	816ھ
12	نحو	شرح مائۃ عامل	عبد القاہر جرجانی	474ھ
13	نحو	نظم مائۃ عامل	عبد القاہر جرجانی	474ھ
14	نحو	ہدایۃ النحو	ابو حیان اندلسی	745ھ
15	نحو	کافیہ	امام جمال الدین ابو عمرو عثمان المعروف ابنِ حاجب	646ھ

16	نحو	شرح جامی	شیخ عبد الرحمٰن بن احمد جامی	898ھ
17	نحو	تسہیل الکافیہ	عبد الخالق خیر آبادی	1316ھ
18	معانی وبیان	مختصر المعانی	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	792ھ
19	معانی وبیان	مطوّل	علامہ سود الدین مسعود بن عمر تفتازانی	792ھ
20	معانی وبیان	تلخیص المفتاح	علامہ جلال الدین محمد بن عبد الرحمٰن قزوینی	739ھ
21	عروض	عروض المفتاح	ابویعقوب یوسف بن ابی بکر محمد سکاکی	626ھ
22	منطق	صغریٰ، کبریٰ، اوسط	میر شریف جرجانی	816ھ
23	منطق	ایساغوجی	مولانا اثیر الدین ابہری	745ھ
24	منطق	مرقات	سید محمد فضل امام خیر آبادی	1244ھ
25	منطق	شرح تہذیب	علامہ عبد اللہ یزدی	981ھ
26	منطق	سلم العلوم	مولوی محبّ اللہ بن عبد الشکور بہاری	1119ھ
27	منطق	شرح ملا حسین	ملا محمد حسن بن قاضی	1209ھ
28	منطق	تصدیقات شرح مسلم	حمد اللہ سندیلوی	1160ھ
29	منطق	تصورات شرح سلم	قاضی مبارک بن محمد	1162ھ
30	منطق	رسالہ میر زاہد	میر محمد زاہد ہروی	1101ھ
31	منطق	قطبی	محمد بن محمد قطب الدین رازی	766ھ
32	منطق	میر قطبی	میر شریف جرجانی	816ھ
33	منطق	تہذیب المنطق	سعد الدین تفتازانی	792ھ
34	فلسفہ وحکمت	میبذی	میر کمال الدین حسین میبذی	1096ھ
35	فلسفہ وحکمت	صدرا	علامہ محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی	1050ھ
36	فلسفہ وحکمت	شمس البازغۃ	ملا محمود دین محمد فاروقی جون پوری	1062ھ
37	فلسفہ وحکمت	ہدیہ سعیدیہ	مولانا فضل حق خیر آبادی	1278ھ
38	فلسفہ وحکمت	تصریح	امام الدین ریاضی	1145ھ
39	فلسفہ وحکمت	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا رومی	841ھ

40	ادب عربی	مفید الطالبین	مولانا محمد احسن نانوتوی	1312ھ
41	ادب عربی	نفحۃ الیمن	شیخ احمد بن محمد یمنی	1256ھ
42	ادب عربی	نفحۃ العرب	مولانا اعزاز علی دیوبندی	1374ھ
43	ادب عربی	مقامات حریری	علامہ ابو محمد قاسم بن علی الحریری	516ھ
44	ادب عربی	دیوان متنبیؔ	احمد بن حسین الکندی المعروف متنبیؔ	354ھ
45	ادب عربی	دیوان حماسہ	ابو تمام حبیب بن اوس طائی	232ھ
46	ادب عربی	سبعہ معلقہ	سات عرب شعراء: امراؤ القیس، طرفہ بن عبد، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ، عنترہ بن شداد، زہیر بن ابی سلمیٰ	
47	علم الکلام	شرح عقائد جلالی	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد دوانی	908ھ
48	علم الکلام	شرح عقائد نسفی	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	768ھ
49	علم الکلام	خیالی	علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی	860ھ
50	علم الکلام	مسامرہ	کمال الدین ابو المعالی محمد بن ناصر الدین	905ھ
51	ہیئت وہندسہ	تحریر اقلیدس	علامہ نصیر الدین طوسی	672ھ
52	ہیئت وہندسہ	تشریح الافلاک	بہاؤالدین عاملی	1031ھ
53	ہیئت وہندسہ	خلاصۃ الحساب	بہاؤالدین عاملی	1031ھ
54	مناظرہ	رشیدیہ	عبد الرشید دیوان	1083ھ
55	فقہ	نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلانی	1069ھ
56	فقہ	قدوری	امام ابو الحسن احمد بن محمد المعروف قدوری	428ھ
57	فقہ	کنز الدقائق	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی	710ھ
58	فقہ	شرح وقایہ	شیخ عبید اللہ بن مسعود	747ھ
59	فقہ	ہدایہ	علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی	593ھ
60	فقہ	در مختار	علامہ علاؤالدین	1088ھ

61	فرائض	سراجی	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی ہجری
62	اصول فقہ	اصول الشاشی	نظام الدین شاشی / اسحٰق بن ابراہیم شاشی	745ھ / 325ھ
63	اصول فقہ	نورالانوار	شیخ احمد عرف ملاجیون	644ھ
64	اصول فقہ	حسامی	حسام الدین محمد بن محمد بن عمر	644ھ
65	اصول فقہ	توضیح	عبیداللہ بن مسعود	747ھ
66	اصول فقہ	تلویح	سعد الدین تفتازانی	792ھ
67	اصول فقہ	مسلم الثبوت	مولوی محبّ اللہ بہاری	1119ھ
68	حدیث	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	
69	حدیث	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	256ھ
70	حدیث	صحیح المسلم	ابوالحسین مسلم بن حجاج	261ھ
71	حدیث	جامع ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	279ھ
72	حدیث	سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	275ھ
73	حدیث	سنن نسائی	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	302ھ
74	حدیث	سنن ابنِ ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن ماجہ قزوینی	273ھ
75	حدیث	شمائل ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	279ھ
76	حدیث	طحاوی	ابوجعفر احمد طحاوی	321ھ
77	حدیث	موطاامام مالک	امام مالک بن انس	179ھ
78	اصول حدیث	نخبۃ الفکر	علامہ احمد بن علی بن حجر العسقلانی	852ھ
79	اصول تفسیر	الفوزالکبیر	امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	1176ھ
80	تفسیر	جلالین	جلال الدین محلی، جلال الدین سیوطی	864ھ، 911ھ
81	تفسیر	انوارالتنزیل (بیضاوی)	امام عبداللہ بن عمر بیضاوی	684ھ
82	تفسیر	کشاف	جاراللہ زمخشری	538ھ
83	تفسیر	مدارک التنزیل	علامہ نجم الدین عمر نسفی	753ھ

درسِ نظامی کی اہمیت:

مولانا کی عظمت اور ان کے وضع کردہ درسِ نظامی کے نصاب کی اہمیت کے بارے میں **مولانا ندوی** لکھتے ہیں:

"مُلّا قطب الدین شہید سہالوی کے نامور فرزند مُلّا نظام الدین کے فیض نے فرنگی محل کو ہندوستان کا دارالعلم والعمل بنایا۔ اسلام میں یہ فخر صرف اس خاندان کو حاصل ہے کہ تقریباً اڑھائی سو برس تک بلا فصل علماء وفضلاء پیدا ہوتے رہے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی محض علم و فن کی خدمت کیلئے وقف کر دی اور ان کی درسگاہوں سے ہزاروں علماء نکل کر ملک کے ہر گوشے میں پھیل گئے۔"[4]

مُلّا نظام الدین نے لکھنؤ میں جو مدرسہ قائم کیا اس کا نام "**مدرسہ عالیہ نظامیہ**" تھا جس کا شمار برصغیر کی عظیم اور قدیم ترین درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ اس مدرسے کو جو بھی عظمت نصیب ہوئی اس کی وجہ فقط یہی نصاب ہے جس کو مولانا نے مدون کیا۔

پروفیسر امیر الاسلام اس نصاب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"مدرسہ عالیہ نظامیہ کے نصاب میں صرف ونحو، معانی وبیان معانی، عروض، منطق، علم الکلام، تاریخ، طب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر اور اصولِ تفسیر کی 79 کتابیں شامل ہیں۔ یہ وہ نصاب ہے جو پاک وہند کی تقریباً ہر اسلامی درسگاہ میں رائج ہے۔ اسلامی درسگاہوں میں آج اسلامی علوم وفنون کے جو چراغ روشن نظر آتے ہیں ان میں مدرسہ عالیہ نظامیہ اور اس کے فاضلین کا گراں قدر حصہ ہے۔"[5]

نصاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد اور سند فراغت حاصل کرنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے دینی ودنیاوی معاملات کو گہری بصیرت اور ذہانت سے حل کر سکیں۔ طلبہ کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔[6]

اصولِ نصاب سازی:

مولانا نظام الدین نے اس نصاب کو ترتیب دینے میں درج ذیل دو اصول پیشِ نظر رکھے:

1۔ مشکل ودقیق کتاب:

اس نصاب کو ترتیب دینے میں یہ مقصد شامل تھا کہ ہر فن کی وہ کتابیں شامل کی جائیں جن سے زیادہ مشکل کتاب اس فن میں موجود نہ ہو کیونکہ کوئی کتاب جتنی مشکل ہو گی اسے سمجھنے کے لئے اتنی ہی زیادہ محنت کرنی پڑے گی جس سے فکر کی پرواز اسی قدر بلند ہو گی۔

2۔ مختصر ترین کتاب:

دوسرا اصول مشکل کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر بھی ہو کیونکہ کوئی کتاب جتنی مختصر اور مجمل ہو گی، اسی قدر قوتِ فکر کی ورزش بھی ہو گی اور جہاں اختصار قوتِ فکر کو مہمیز کرتا ہے وہاں مدتِ تعلیم کو بھی کم کرتا ہے۔[7]

درسِ نظامی کے مقاصد:

درسِ نظامی کے مقاصد کے بارے میں کوئی حتمی اور قطعی دستاویز تو نہیں ملتی لیکن اسلامی مدارس کے تعلیمی نظام پر لکھے گئے مقالات کی روشنی میں درج ذیل مقاصد بیان کیے جا سکتے ہیں:

1۔ درسِ نظامی کا اولین مقصد کتاب و سنت کے حقائق کا علم ہے۔

2۔ تعلیم و تدریس کا مقصد کسی دنیاوی مفاد کے بجائے رضائے الٰہی اور اخروی نجات ہے۔

3۔ خدمتِ خلق کرنے والے اہلِ علم تیار کرنا۔

4۔ طلباء کی اصلاحِ نفس اور اصلاحِ اعمال۔

5۔ ایسے اصحابِ فکر و نظر تیار کرنا جو علمِ دیں پر گہری نظر رکھتے ہوں۔[8]

درسِ نظامی کی تشکیل کا مولانا نظام الدین کی طرف نسبت کا جائزہ:

درسِ نظامی اگرچہ مولانا نظام الدین کی طرف منسوب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نصاب کا تصور ان کے والد مولانا قطب الدین نے پیش کیا تھا لیکن اپنی زندگی میں وہ اس کو عملی صورت نہ دے سکے تو ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے فرزند ارجمند نظام الدین نے اس خواب کو حقیقت کا روپ دیا جس کی وجہ سے درسِ نظامی کو ان کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

نسبت کا اختلاف مولانا قطب الدین اور نظام الدین کے درمیان ہے جس کی تطبیق یوں کی جاسکتی ہے کہ مولانا قطب الدین نے ہی اس نصاب کو مرتب کیا ہو جو کہ قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ مولانا خود بھی مستند عالمِ دین اور کئی کتابوں کے مؤلف تھے۔ پھر زندگی کے وفا نہ کرنے کی وجہ سے وہ اسے پروان نہ چڑھا سکے تو ان کے صاحبزادے مولانا نظام الدین اپنے باپ کی شہادت کے بعد فرنگی محل لکھنؤ میں منتقل ہو گئے اور پھر ساری زندگی اپنے حلقہ درس میں اسی نصاب کے مطابق تدریس کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ **"درسِ نظامی"** کے مرتب کہلائے۔

درسِ نظامی کی خصوصیات

تعلیم کا مقصد فرد کی انفرادی نشو و نما اور ثقافتی سرمایہ کو نئی نسل میں منتقل کرنا ہے۔ غور و فکر کی صلاحیت انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے کیونکہ اسی غور و فکر کی بناء پر وہ توحید کا مفہوم سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، پس قوت، فکر کی نشو و نما ہی تعلیم کی اصل غرض و غایت ہے، جس میں عقلِ نظری (جس کا تعلق منطق و فلسفے سے ہے) اور عقلِ استقرائی (جس کا تعلق طبعیات، کیمیاء اور حیاتیات وغیرہ کے طبعی علوم اور تاریخ و اجتماعیات وغیرہ کے عمرانی علوم سے ہے) دونوں کی نشو و نما شامل ہے۔ قرآن میں بھی مختلف مقامات پر انہی دونوں مفہوموں میں انسان کو غور و فکر کرنے اور عقل سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔

قرآن کی رو سے تعلیم کی غرض و غایت عقل نظری اور عقل استقرائی دونوں کی نشو و نما ہے۔ لیکن ملا نظام الدین نے اسے صرف عقلِ نظری کی نشو و نما تک محدود رکھا، کیونکہ وہ خالصتاً عین پرست تھے اور ان کے نزدیک تعلیم کا اصل مقصد عقل و فکر کی زبان میں توحید کے مفہوم کو سمجھنا تھا جس میں بصارت اور بصیرت کا کوئی دخل نہ ہو۔ شروع سے لیکر آخر تک انہوں نے صرف قوتِ فکر و فہم کی نشو و نما پر زور دیا تاکہ کسی ایک کتاب کا مطالعہ کر کے اسی قسم کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ چنانچہ **مولانا ابو الحسنات ندوی** درسِ نظامیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ بتاتے ہیں کہ طالبعلموں میں امعانِ نظر اور قوتِ مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو اگرچہ اسکو تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ محض اپنی محنت سے جس فن میں چاہے کمال حاصل پیدا کرے۔[9]

یہی وہ فلسفہ تھا جس پر درسِ نظامیہ کی بنیاد استوار کی گئی اور جس کی وضاحت کرتے ہوئے **علامہ شبلی** لکھتے ہیں:

"اس نصاب میں سب سے زیادہ مقدم خصوصیت جو ملا صاحب کے پیشِ نظر تھی، وہ یہ تھی کہ مطالعہ اس قدر قوّی ہو جائے کہ نصاب کے ختم کرنے کے بعد طالبِ علم جس فن کی جو کتاب چاہے سمجھ سکے۔"[10]

ذیل میں درسِ نظامی کی مزید خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

1۔علومِ عقلیہ پر زیادہ زور:

اس نصاب میں اس دور کی علمی فضا کو سامنے رکھتے ہوئے علومِ عقلیہ یعنی فلسفہ اور منطق پر زیادہ توجہ دی گئی تاکہ طلباء میں کوئی علمی خامی نہ رہ جائے کیونکہ یہی وہ علوم ہیں جن سے ذہن تیز ہوتا ہے، حق و باطل میں فرق معلوم ہوتا ہے، تحقیق و تنقید کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور قوتِ فہم کی نشو نما ہوتی ہے۔ فلسفہ حقیقت اولیٰ کی ماہیت کا علم عطا کرتا ہے۔ منطق صحت فکر کے قوانین وضع کرتی ہے اور ہماری سوچ کو مغالطوں سے پاک کرتی ہے۔ ریاضی توجہ کو بھٹکنے سے روکتی ہے اور پورے انہماک کے ساتھ مطالعہ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ کلام دینی عقائد کو عقلی بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور حرّیتِ فکر کے شر سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ یہ سب علوم اپنے اپنے طریقے سے عقلِ نظری کی تربیت کرتے ہیں تاکہ توحید کا صحیح نقش دل پر ثبت ہو۔[11]

2۔مشکل کتب کا انتخاب:

درس نظامی کے نصابات کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ نصاب میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون کے لئے مشکل سے مشکل متون شامل کئے جائیں تاکہ طالبعلم ان متون کے مطالعہ سے علم کے ہر فن میں تاک ہو جائیں۔ اس کے علاوہ کوئی کتاب جتنی زیادہ مشکل ہو گی اتنی ہی زیادہ محنت اسے سمجھنے کیلئے کرنی پڑے گی جس سے فکر کی پرواز بلند ہو گی اور قوتِ فہم بڑھے گی۔

3۔فکر و نظر میں گہرائی:

اس نصاب میں دقتِ نظر کے ساتھ مطالعہ کو بڑی اہمیت دی گئی کیونکہ نصاب میں شامل کتب ایسی تھیں جن کو سمجھنے کے لئے طلباء کو زیادہ محنت کرنی پڑتی تو اس طرح فکر و نظر میں گہرائی پیدا ہو گئی۔[12]

4۔علمائے برصغیر کی کتب کی نصاب میں شمولیت:

اس نصاب کے ذریعے پہلی دفعہ ہندوستانی علماء کی تصانیف کو داخل نصاب کیا گیا ورنہ اس سے پہلے کسی بھی ہندوستانی عالم کی کوئی بھی تصنیف اسلامی مدارس کے نصاب میں شامل نہ تھی۔ مثلاً سلم العلوم، مسلم الثبوت، نورالانوار، شمس بازغہ، منشعب اور فصولِ اکبری وغیرہ۔

5۔مختصر نصاب:

نصاب مختصر تھا جسے طالبعلم مختصر عرصہ اور کم عمری میں ختم کر سکتا تھا کیونکہ اس کا تعلیمی دورانیہ تقریباً آٹھ سال پر محیط ہے۔ نصاب میں ہر فن کی مختصر ترین کتابیں شامل کی گئیں کیونکہ دقیق ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب اگر مختصر اور مجمل ہو تو قوتِ فکر کی اچھی طرح ورزش ہوتی ہے اور جتنی زیادہ سخت ورزش ہو گی، اتنی ہی زیادہ فہم و فراست بڑھے گی۔

6۔ اختصار:

نصاب میں اختصار کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض کتب کا صرف اسی قدر حصہ شامل کیا گیا جو ضروری تھا مثلاً میر زاہد، صدرا، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، تلویح، شرح وقایہ، ہدایہ، مطوّل، شرح چغمینی اور تحریر اقلیدس۔ ان سب کتابوں کے کچھ کچھ حصے درس میں داخل کیے گئے کیونکہ ہر فن میں ایک دو مختصر اور ناتمام کتابیں ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ایک متوسط الذہن طالبعلم سولہ سترہ برس کی عمر میں تمام کتب درسیہ سے فارغ ہو سکتا ہے۔

7۔ فقہی تعصب سے بالاتر:

اس نصاب کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اس سے طلباء کے ذہن میں فقہی تعصب پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ملا نظام الدین نے درسِ نظامی کی تشکیل میں انتہائی مذہبی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ فقہ حنفی کے مقلد ہونے کے باوجود انہوں نے غیر حنفی مسلک کے مصنفین کی کتابوں کو بھی نصاب میں شامل کیا ہے۔[13]

8۔ مسلمانوں کے تہذیبی تسلسل کی بقاء:

اس نصابِ تعلیم نے طالب علم کو مسلمانوں کی علمی روایت سے مربوط کیا اور اس طرح مسلمانوں کے اس تہذیبی تسلسل کو قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہ دینی مدارس ہی تھے۔ باقی ادارے تو شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے۔

9۔ ملتِ اسلامیہ کے تشخص کی برقراری:

اس نظامِ تعلیم نے ان صدیوں میں جلیل القدر لوگ پیدا کیے، امام، خطیب، مدرس، مصنف، مفتی، محقق اور اہلِ اللہ سب اسی نظامِ تعلیم کے پروردہ تھے۔ برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کا تشخص اسی نصابِ تعلیم کے فیض یافتہ لوگوں کے ذریعہ قائم رہا۔[14]

درسِ نظامی کی قبولیت کی وجوہات:

یہ بات بھی انتہائی قابلِ غور ہے کہ اڑھائی سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود مولانا نظام الدین نے جو مختصر نصاب مرتب کیا تھا، اس میں واقع ہونے والے تغیرات کے باوجود بھی آج تک درسِ نظامی کو برابر قبولیت حاصل ہے۔ اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں چند ایک ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

1۔ برصغیر کی مذہبی تاریخ کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر عالم وفاضل اور بہت زیادہ مذہبی بادشاہ کے طور پر مشہور تھے۔ مولانا نظام الدین سہالوی کے عالمگیر کے ساتھ گہرے روابط اور تعلقات تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے نظریات عام کرنے میں کسی قسم کی بھی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں **"فتاویٰ عالمگیری"** کو مرتب کیا گیا تو جو کمیٹی تدوینِ فتاویٰ میں مصروف تھی اس کے سربراہ بھی مولانا نظام الدین ہی تھے۔

2۔ مولانا نظام الدین نے ایسا نصابِ تعلیم مرتب کیا تھا جو اس دور کے تمام دنیاوی تقاضے بھی پورے کرتا تھا اور درسِ نظامی کے فاضلین کو حکومتی سطح پر ملازمت حاصل کرنے کے لئے کوئی مشکل پیش نہ آتی تھی۔ جس کی وجہ سے اکثر لوگ درسِ نظامی کی طرف راغب ہوئے۔

3۔ اس نصاب کی قبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ قرار دی جاسکتی ہے کہ یہ نصاب فرقہ وارانہ نہیں تھا کیونکہ شافعی، مالکی اور شیعہ وغیرہ تمام

مذاہب کے مصنفین کی کتابیں شاملِ نصاب تھیں مثلاً جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ولی الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ شافعی علماء تھے جبکہ ابنِ حاجب مالکی اور صدر الدین شیرازی، نصیر الدین طوسی وغیرہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

4۔ مذہبی طبقہ بنیادی طور پر اپنے اسلاف سے ازحد درجہ عقیدت کا رشتہ رکھتا ہے اور عموماً اپنے اکابر کی تصانیف کو کسی بھی صورت میں خارج از نصاب کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور عام لوگوں کی نسبت جدید دور کے تقاضوں کو فوراً قبول کرنے کی بجائے سست روی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آج تک برصغیر پاک وہند میں وہی نصاب چلتا آرہا ہے۔

5۔ تقسیمِ ہند کے وقت جب مدارس کا قیام عمل میں آیا تو کوئی اور نصابِ تعلیم موجود نہیں تھا تو علماء نے درسِ نظامی کو قبول کیا اور اپنے مدارس میں رواج دیا۔[15]

حواشی وحوالہ جات

[1] ابن الحسن عباسی، **دینی مدارس**، (کراچی: مکتبہ عمر فاروق، 1421ھ)، 80-82۔

[2] ابو عمار زاہد الراشدی، **درس نظامی کا پس منظر**، روزنامہ اسلام، لاہور، 28جولائی، 2017ء۔

[3] عباسی، **دینی مدارس**، 83۔

[4] ندوی، ہندوستان کی قدیم درسگاہیں، 41-42

[5] امیر الاسلام، "مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنؤ" برصغیر پاک وہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے، 1947ء، 11

[6] محمد عارف، برصغیر کا نظام تعلیم وتربیت: سید مناظر احسن گیلانی کے افکار کا خصوصی مطالعہ،

Global Journal of Management, Social Sciences and Humanities, Vol 3,(3),July-Sept,2017,pg.140

[7] صدیقی، بختیار حسین، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2009ء، 24

[8] نذر احمد، دینی مدارس کا انظام تعلیم، 34

[9] ابو الحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، 103

[10] نعمانی، شبلی، مقالاتِ شبلی، اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، 2009ء، 3/100

[11] صدیقی، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، 24

[12] ابن الحسن عباسی، دینی مدارس، 85

[13] رحمانی، ڈاکٹر انجم، پاکستان میں تعلیم، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، 2006ء، 66

[14] محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا دینی نظامِ تعلیم، لاہور: مکتبہ البرہان، 2014ء، 73

[15] نیاز محمد، درسِ نظامی کے نصاب اور اصولِ نصاب سازی کا جائزہ، مشمولہ پشاور اسلامیکس، 2011ء